مولوی احمد دین کی تصنیف ''اقبال'' علامہ اقبال کی نظر میں

[1]ڈاکٹر محمد رمضان

Abstract:

In this essay the first book written on Allama Iqbal "Iqbal by Ahmed Din" has been analysed. Allama Iqbal's first poetic collection was still in process when one of his close friends Ahmad Din published a book 'Iqbal' on the thought and art of Iqbal by collecting Iqbal's poetry from different newspapers, magazines and from the proceedings of Anjaman Himayat Islam. He did not seek Iqbal's permission in doing so. He thought Iqbal would appreciate the publication, but Iqbal strongly disliked it. The reasons of Iqbal's dislike for that book have been analysed in this essay for which Ahmad Din has to burn its all copies and how Iqbal permitted its publications again. The importance of this book in the study of Iqbaliat has also been discussed.

Keywords: **Iqbal Poetry, Iqbal Dislike, First Poetry Book of Iqbal, Burt, Reprint.**

کلیدی الفاظ: اقبال از احمد دین، پہلی تصنیف، نذر آتش، دوبارہ اشاعت، انجمن حمایت اسلام

''بانگ درا'' کی اشاعت سے پہلے ۱۹۲۳ء میں لاہور کے ایک نامور وکیل اور اقبالؒ کے مخلص دوست مولوی احمد دین لون کشمیری نے رسالہ ''مخزن'' اور دوسرے رسائل کے علاوہ انجمن حمایتِ اسلام کی رودادوں سے کلامِ اقبال جمع کر کے اقبال کے فکر و فن پر پہلی باقاعدہ اردو کتاب ''اقبال'' کے عنوان سے شائع کی۔ اقبال اس وقت اردو کے مقبول اور اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ ان کا کلام مختلف اخبارات اور رسائل میں بکھرا پڑا تھا۔ انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں پڑھا جانے والا کلام نقول کی صورت میں خاصی تعداد میں لوگوں کے پاس محفوظ تھا، کچھ کلام انجمنِ حمایت اسلام کی رودادوں میں محفوظ تھا لیکن ایک مجموعے کی صورت میں شائع نہیں ہوا تھا۔ کلامِ اقبال کے شائقین ایک مدت سے منتظر تھے کہ سارا کلام ایک مجموعے کی شکل میں

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو واقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

شائع ہو جائے تاکہ ضائع ہونے کا خدشہ باقی نہ رہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر احمد دین کو یہ احساس ہوا کہ جو نظمیں اور غزلیں ان کے پاس محفوظ ہیں وہ ان کو ایک کتابی شکل میں تبصرے کے ساتھ شائع کریں۔ اس طرح انھوں نے اقبال کی اجازت اور مشورے کے بغیر انھیں ایک مجموعے کی صورت میں شائع کر دیا۔ ان کا مقصد محض اقبال کے کلام کو محفوظ کرنا اور ان کی شاعرانہ قدر و منزلت کو اجاگر کرنا تھا۔

اس سے قبل لاہور کے ایک مقامی تاجر منشی قمر الدین نے اقبال کی نظمیں کتابی صورت میں شائع کی تھیں۔ یہ واقعہ ''بانگ درا'' کی اشاعت سے پہلے کا ہے۔ علامہ اقبال نے ۷ مارچ ۱۹۱۷ء کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں جو محمد دین فوق[۱] کے نام ہے۔ منشی قمر الدین کے بارے میں لکھا کہ :

''ڈیئر فوق!

السلام علیکم! آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔ منشی قمر الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گزشتہ تجربے سے معلوم ہوئی ہے ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔ اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولانا ظفر علی خان کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے پیشتر میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔''[۲]

جو لوگ اقبال کی اجازت کے بغیر ان کا کلام چھاپ دیتے تھے ایسے لوگوں پر نظر رکھنا اور ان پر مقدمہ چلانے کا کام اقبال نے مولوی احمد دین کے سپرد کر رکھا تھا لیکن عجیب اتفاق ہے کہ جس شخص کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی بلا اجازت کلامِ اقبال شائع نہ کرے وہی اقبال کے مشورے اور اجازت کے بغیر کتاب شائع کر رہا ہے۔ دراصل مولوی احمد دین کو اقبال سے بے حد محبت تھی۔ اسی محبت اور خلوص کی وجہ

سے انھوں نے اقبال کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے ان کی تمام ابتدائی نظمیں اور غزلیں جو انھوں نے جمع کر رکھی تھیں ''اقبال'' کے نام سے شائع کر دیں۔ان کا مقصد یہ تھا کہ اقبال کا منتشر کلام محفوظ ہو جائے گا اور اقبال کو خوشی بھی ہو گی کیوں کہ اس وقت تک اقبال کے اردو کلام کا کوئی باقاعدہ مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان کے فکر و فن پر کوئی کتاب منظر عام پر آئی تھی۔ مولوی احمد دین نے انتہائی لگن، محنت، خلوص اور ہمدردی سے اس اشاعت کو ممکن بنایا۔ان کا مقصد مالی منفعت نہیں بلکہ اپنی دوستی کا والہانہ ثبوت تھا۔احمد دین کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ اقبال اس اشاعت سے خوش ہوں گے۔اس ضمن میں محمد عبداللہ قریشی رقم طراز ہیں:۔

> ''جب کتاب چھپ کر اقبال کے پاس پہنچی اور شیخ گلاب دین(۳) نے اس کے متعلق اقبال کی رائے دریافت کی تو اقبال نے مذاق ہی مذاق میں کہہ دیا کہ میں تو نظر ثانی کے بعد اپنے کلام کا مجموعہ ابھی مرتب ہی کر رہا تھا کہ مولوی صاحب نے ''اقبال'' کو بیچنا بھی شروع کر دیا۔ کم از کم وہ میری کتاب کا انتظار ہی کر لیتے۔''(۴)

مولوی احمد دین نے یہ بات سنی تو اس کا کچھ اور ہی مطلب لیا۔اقبال کا کلام چھاپ کر اقبال کو نقصان پہنچانا اور جو اشعار ان کے معیار سے گر چکے تھے انھیں محفوظ کر کے اقبال کی شہرت کو بٹا لگانا ان کا مقصد نہ تھا۔ انھوں نے کتاب کی تمام جلدیں اپنے مکان کے صحن میں ڈھیر کر کے ان کو آگ لگا دی۔خود کرسی پر بیٹھ گئے اور جب تک کتاب کا ایک ایک ورق جل کر راکھ نہ ہو گیا وہاں سے نہ ٹلے اور گھر پھونک تماشا دیکھتے رہے۔اقبال کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔ مولوی صاحب سے معذرت طلب کر کے ان کو دوبارہ کتاب چھاپنے پر راضی کر لیا۔ چناں چہ ''بانگ درا'' کی اشاعت ۱۹۲۴ء کے دو سال بعد ۱۹۲۶ء میں یہ کتاب از سرِ نو لکھی اور شائع کی گئی۔(۵)

''اقبال'' کی اشاعت اول کے وقت علامہ اقبال ''بانگ درا'' کے لیے اپنے کلام کے انتخاب میں مشغول تھے اور وہ اپنے کلام پر نظرِ ثانی کر رہے تھے اس لیے انھیں یہ اشاعت پسند نہیں آئی۔ کوئی بھی شاعر اپنی ابتدائی مشق کا کلام جوں کا توں شائع کرنا پسند نہیں کرتا اور جب ''بانگ درا'' چھپ کر سامنے آئی تو اقبال نے اپنا

بہت سا کلام قلم انداز کر دیا تھا، ان میں وہ نظمیں بھی شامل تھیں جن کی وجہ سے انھیں عالم گیر شہرت حاصل ہوئی تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کتاب میں اقبال کی منظومات کا ایک کثیر حصہ شامل کر لیا گیا تھا۔ لہذا اس سے ''بانگ درا'' کی اشاعت متاثر ہو سکتی تھی۔ ان وجوہ کی بناء پر اقبال نے اس اشاعت کو پسند نہ کیا۔ بعد میں جب ''بانگ درا'' منظر عام پر آگئی تو دوبارہ سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔

احمد دین نے اپنی منسوخ شدہ تصنیف کا دوسرا ایڈیشن اقبال کے عنوان سے شائع کیا۔ اس کے سرِ ورق کی عبارت یہ ہے:

> ''اقبال'' علامہ سر محمد اقبال کی اردو منظومات ان کے مقصدِ شاعری اور خیال کے نشوونما مضامینِ کلام اور طرزِ بیان پر ایک نظر از مولوی احمد دین صاحب بی۔اے ایڈووکیٹ لاہور۔
> مؤلف ''سرگزشتِ الفاظ'' ۱۹۲۶ء

کتاب کے سرِ ورق کے بعد تمہید یہ ''نوجوان مسلم'' نظم کے بعد اقبال کی ایک تصویر ہے۔ اس کے نیچے یہ شعر درج ہے:

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ

احمد دین نے اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ترتیب اس طرح سے ہے:

باب اول: کلامِ اقبال

باب دوم: مضامینِ اقبال

باب سوم: طرزِ بیان

'' اقبال'' کی دوسری اشاعت میں احمد دین نے چند ترامیم کیں ہیں۔ طبع اول میں دو باب ''غزلیات'' اور ''اکبری رنگ'' شامل تھے جنھیں طبع دوم میں مکمل طور پر شامل نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک اور باب جو ''مقصدِ شاعری'' کے عنوان سے تھا اسے حذف کر دیا گیا لیکن اس کے مباحث کا بقیہ ابواب میں

تقسیم کر دیا گیا۔ طبع اول چھے ابواب پر مشتمل تھی جب کہ طبع دوم کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

> ''انیسویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ نصف سے زیادہ گزر چکا تھا۔ شہر لاہور کے بھاٹی دروازے کے اندر بازارِ حکیماں میں ایک مشاعرے کی طرح ڈالی گئی۔ مجلسِ مشاعرہ حکیم الدین صاحب بیرسٹر مرحوم کے مکان پر جو اسی خاندانِ حکیماں کے ایک نامور رکن تھے جن کے نام پر بازار مشہور ہے، منعقد ہوا کرتی تھی۔ میرِ مجلس اسی خاندان کے بزرگ حکیم شجاع الدین صاحب مرحوم تھے۔ میرزا ارشد گورگانی دہلوی و میر ناظر حسین ناظم لکھنوی مشاعرے کے روحِ رواں تھے۔ دونوں حضرات خود بھی شعر کہہ کر لاتے تھے اور ان کے شاگردوں اور ثنا خوانوں کی ایک دوسرے کے مقابلے میں طبع آزمائیاں مشاعرے کی رونق دوبالا کرتی تھیں۔ دِلی اور لکھنؤ کے اکھاڑے تھے، تماشائیوں کا ایک اچھا خاصا جمگھٹا ہوتا تھا۔ کالجوں کے نوجوان طالب علم بھی شعر گوئی اور شعر فہمی کے شوق میں چلے آتے تھے اور سخن دانی کی داد لینے اور دینے میں کسی سے پیچھے نہ رہتے تھے۔ ان نوجوان مشاقانِ سخن میں اقبال بھی تھے۔ اقبال کے اشعار نے انہی دنوں میں اور اسی مجلسِ مشاعرہ میں لاہور والوں کی توجہ ان کی طرف دلائی۔''(۲)

احمد دین نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اقبال کی ذہنی نشوونما کس ماحول اور حالات میں ہوئی۔ ان کی شاعری میں اس دور کے حالات کا عکس کس طرح موجود ہے۔ پہلے حصے میں اقبال کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہی تقسیم ''بانگ درا'' میں موجود ہے۔ احمد دین نے ہر دور کی خاص خاص نظموں پر تبصرہ کیا ہے۔ کتاب کا آغاز بازارِ حکیماں لاہور کی ادبی محفلوں کی منظر کشی کرتے ہوئے اقبال کے تعارف کے بعد ان کی شاعری کے اول دور کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقبال کے مختصر حالاتِ زندگی، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم اور پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات کا ذکر شامل ہے۔

''مخزن''اور شیخ عبدالقادر کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اقبال کی نظموں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو ''مخزن''میں شامل ہوئیں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی نظمیں ''پہاڑ اور گلہری''، ''پرندے کی فریاد''، ''گائے اور بکری''اور ''ہمدردی''پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ نظم ''پرندے کی فریاد'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''پرندے کی فریاد'' بھی بچوں کے لیے لکھی گئی ہے اور کسی دوسری زبان سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس کی خوبی اور لطافت بیان نہیں ہو سکتی۔ اس میں سوز و گداز دل ہلا دینے والا ہے اور اس کی میٹھی میٹھی دردناک اور درد انگیز سُریں بے تاب کیے دیتی ہیں۔''(۷)

اقبال کے عشقِ رسولؐ کے بارے میں احمد دین نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ جذبہ اقبال کے ہاں پہلے سے موجود تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اس میں شدت آتی گئی اور یہ پہلے سے زیادہ نمایاں ہوا۔ احمد دین نے اسی حصے میں بتایا ہے کہ حالات و واقعات اقبال کو بھی سیاست میں لے آئے۔ وہ محبت بھرا دل رکھتے تھے۔ اس لیے سیاست سے دور رہنا ممکن نہ تھا۔ انھوں نے ''مخزن''میں چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھنا شروع کیں جن میں سیاست کی جھلک نظر آتی ہے۔ خاص کر ان کی نظم ''صدائے درد''میں یہ جھلک نمایاں ہے۔ احمد دین نے ان نظموں کا جائزہ بھی لیا ہے جن میں سیاسی جھلک موجود نہیں لیکن قومی اور ملی جذبات شامل ہیں۔

احمد دین، اقبال کی شاعری کا دوسرا دور اقبال کے ولایت جانے کے بعد کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ دور ستمبر ۱۹۰۵ء سے شروع ہوتا ہے جب اقبال یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں ان کی شاعری میں ایک نیا موڑ آتا ہے جس سے وطن پرستی، ملت پرستی میں تبدیل ہو جاتی ہے یہی تبدیلی ان کے دوسرے دور کا خاص موضوع ہے۔

تیسرے دور میں مصنف نے اقبال کا ذہنی ارتقاء، تخیل کی بلندی اور شاعرانہ عظمت کو زیرِ بحث لایا ہے۔ احمد دین کے مطابق اقبال پہلے محض اہلِ مجلس کے لیے طرب کا سامان سمجھا جانے لگے تھے لیکن فکری ارتقاء کے باعث وہ اس دور میں قومی زندگی کا روحِ رواں نظر آنے لگے۔ اس دور میں پہلے دور کی پریشانیاں نہیں

ہیں اور نہ ہی ناکام جستجو پائی جاتی ہے۔اس دور میں تصوف کی وہ خیالی نکتہ آفرینیاں اور حکمت کی پھیکی بزم آرائیاں بھی عنقا ہیں۔

تیسرے دور کے بارے میں احمد دین کا کہنا ہے کہ :

''تیسرے دور میں شاعر کا دماغ اس کا تخیل، کسمپرسی کی تلخیوں سے کہیں بالاتر ہے۔پہلے وہ محسوس کرتا تھا کہ انسان کے سواد نیا کی ہر چیز لذت گیر وجود ہو رہی ہے اور مے نمود سے سرمست نظر آتی ہے۔وہ دیکھتا تھا کہ انسان کا کوئی غمگسار نہیں اور اس کی زندگی تلخ ہے۔اب قدرت کے رازدار دل نے اسے بتایا ہے کہ موجوداتِ عالم کا حضرتِ انساں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔اس کی لذت گیری اور ان کی سرمستی اس کی فطرت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔''(۸)

مضامینِ کلام اس کتاب کا دوسرا باب ہے۔اس باب میں اقبال کی شاعری کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔اس باب میں احمد دین نے یہ واضح کیا ہے کہ اقبال نے کن حالات و واقعات اور مسائل پر غور و فکر کر کے انھیں اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔اس باب کے چودہ ذیلی عنوانات ہیں۔ باب کا آغاز آبِ حیات کے ایک اقتباس سے ہوتا ہے جس میں مصنف نے مولانا محمد حسین آزاد کی ایک خواہش کو شامل کیا ہے۔ مولانا محمد حسین نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ :

''بڑی قباحت یہ پیدا کی کہ اربابِ زمانہ نے متفق اللفظ کہہ دیا کہ اردو نظم مضامینِ عاشقانہ ہی کہہ سکتی ہے۔اسے ہر ایک مضمون کے ادا کرنے کی طاقت اور لیاقت بالکل نہیں اور یہ ایک بڑا داغ ہے جو ہماری قومی زبان کے دامن پر لگا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اسے کون دھوئے؟ ہاں یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے جو کشورِ علم میں مغربی اور مشرقی دونوں دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ان کی ہمت آبیاری کرے گی، دونوں کناروں سے پانی لائے گی اور اس داغ کو نہ فقط دھوئے گی بلکہ قوم کے دامن کو موتیوں سے بھر دے گی۔''(۹)

احمد دین کو محمد حسین کے اس خواب کی تعبیر اقبال کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اقبال، آزاد کے معیار پر پورا اترتے ہیں، انھیں مشرقی اور مغربی علوم پر دسترس حاصل ہے۔احمد دین، اقبال کو مستقبل کا شاعر

قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اقبال مولانا حالی کی طرح تہذیبِ حاضر کا مذاق نہیں اڑاتا بلکہ وہ اپنے بھٹکے ہوئے بھائیوں کو مستقبل کی جھلک دکھا کر نئی تہذیب کی نظر فریبیوں سے ہٹا کر اسلام کی شاہراہ پر چلنے کی راہنمائی کرتا ہے۔

باب سوم طرزِ بیان:

یہ کتاب کا تیسرا باب ہے۔اسے انیس(۱۹)ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس باب میں اقبال کی شاعری کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔احمد دین نے اس باب میں یہ بتایا ہے کہ ہم حالی اور اکبر کو قدیم شاعری کے بت شکن کہہ سکتے ہیں۔یہ حضرات روایتی عشق، ہوس پرستی، حسن کے ناز و انداز اور عشق کے راز و نیاز سے نفور ہیں لیکن اقبال کے ہاں اپنے خیالات کے اظہار کے لیے عشق و محبت کی قدیم اصطلاحات ساز و سامان اور دل فریبی کے لوازمات موجود ہیں۔احمد دین کے نزدیک اقبال کے کلام پر غالبیات کا عنصر بھی موجود ہے جس کی وجہ سے فلسفے اور صوفیانہ طرز کا کلام قدرتاً دقیق ہو گیا ہے۔

اس باب کے آخر میں انھوں نے اردو اور اہلِ پنجاب کے عنوان سے بھی تقریباً چار صفحات لکھے ہیں۔ ،اس ضمن میں احمد دین کا کہنا ہے کہ ہر زبان پر جب وہ کسی دوسرے مقام پر پہنچتی ہے وہاں کے طریق معاشرت تمدنی حالات اور طرزِ بیان کا اثر پڑتا ہے اس لیے وہاں کی مقامی زبانوں کے الفاظ بھی اس زبان میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اس باب کے آخر میں احمد دین نے بحث کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

> ''اس میں شک نہیں کہ اقبال نے اپنی شیوا بیانیوں سے قومی ادبیات میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ہم تو کلامِ اقبال کی صورتِ ظاہری کے بھی دلدادہ ہیں مگر معنوی محاسن کے لحاظ سے اقبال کا پایہ اردو شاعری میں بلا ریب بہت بلند ہے۔اس نے ملی اور سیاسی مضامین حسن و عشق کی زبان میں ادا کر کے چشم بینا اور گوش شنوا کے لیے جنت نگاہ اور فردوس گوش کے دروازے کھول دیے ہیں۔اقبال ابراہیمی عقیدت اور اسلامی اخوت کی سحر کاریوں کا شیدائی ہے اور قوم و ملت میں بلکہ پنہائے عالم میں اسی عقیدت اور اسی اخوت

کی جلوہ آرائیاں دیکھنے کا تمنائی،اس کی شاعری کا یہی اصل اصول ہے اور اس کی نغمہ پیرائیوں کا یہی مقصد اور مدعا ہے۔ حسن و عشق کا دلربایانہ اور رنگ و آب شعری کا دیدہ فریب انداز اس کے لیے مایہ ناز نہیں وہ حقیقت کو صورتِ ظاہری پر ترجیح دیتا ہے۔''(۱۰)

احمد دین کی اس تصنیف کو اہلِ علم و دانش نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اپنی آراء سے بھی نوازا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''سر محمد اقبال کی شاعری پر بہت سے مضمون لکھے گئے ہیں لیکن اس قدر تفصیل کے ساتھ اب تک کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی تھی جس طرح اقبال کی شاعری جوش و خروش سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح مولوی احمد دین صاحب بھی اس شاعری کے پُر جوش مداح ہیں۔ اقبال کی شاید ہی کوئی اچھی نظم ایسی ہو گی جسے مولوی صاحب نے جوش و خروش کے ساتھ کچھ نہ لکھا ہو اور اقتباس نہ دیا ہو۔''(۱۱)

مشفق خواجہ نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''احمد دین نے یہ کتاب ایسے زمانے میں لکھی جب اردو میں تنقید زباں و بیاں کی خوبیاں اور خامیاں دکھانے تک محدود تھی۔ احمد دین نے تنقید کے اصل مقصد کو پہنچانا اور فن کار کو اس کی ذات اور عہد کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کی۔ اس طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ احمد دین نے اردو تنقید کو فن کی پرکھ کے نئے معیار اور نئی قدروں سے روشناس کرایا۔ یہ ان کا ایسا کارنامہ ہے جو ہمیشہ اردو ادب میں یاد رہے گا۔''(۱۲)

احمد دین کی تصنیف ''اقبال''اقبالیات کے موضوع پر ایک اہم تنقیدی کارنامہ ہے۔ مصنف نے اقبال کے عہد، ماحول، معاشرتی و سیاسی حالات کو مد نظر رکھ کر ان کی شاعری کو پرکھا ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں پہلی بار کسی شاعر کے فکر و فن پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کا شمار اقبال کی سوانح عمری میں نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود اس میں چند ایسے پہلو اجاگر ہوئے ہیں جو اقبال کی ابتدائی ادب زندگی کے سلسلے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

احمد دین نے اس کتاب میں اقبال کے ایسی عینی شاہد کی حیثیت سے لکھا ہے۔اقبال سے ان کے دیرینہ دوستانہ مراسم تھے۔انھوں نے اقبال کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔اس لیے اقبال کے فکر و فن تک رسائی ان کے لیے مشکل نہ تھی۔احمد دین اقبال کی نجی محفلوں، بے تکلف دوستوں اور ذاتی سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے اس کتاب کا حرف، حرف معتبر اور اقبال فہمی میں معاون ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ محمد دین فوق سیال کوٹ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مختلف اخبارات و رسائل سے منسلک رہے۔ان کی مشہور تصانیف میں سے ''یادرفتگاں''، ''رہنمائے کشمیر''، ''حریتِ اسلام''، ''تذکرہ شعرائے کشمیر''، ''شبابِ کشمیر''اور ''تاریخ اقوامِ کشمیر''شامل ہیں۔(تفصیل کے لیے بشیر احمد ڈار کی کتاب ''انوارِ اقبال''، صفحہ ۸۱ ملاحظہ ہو)

۲۔ بشیر احمد ڈار، انوارِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، ۱۹۷۷ء)، ص ۶۳۔

۳۔ شیخ گلاب دین وکیل سیال کوٹ کے رہنے والے تھے۔ علامہ اقبال سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔انھوں نے ''قانونِ شریعت و رواج اور قانونِ شہادت''کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔۱۹۰۸ء میں اقبال پی ایچ۔ڈی کر کے لاہور آئے تو شیخ گلاب دین نے ان کے اعزاز میں ایک شان دار دعوت کا اہتمام کیا تھا۔(تفصیل کے لیے محمد عبداللہ قریشی کی تصنیف ''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، صفحہ ۸۷ ملاحظہ کیجیے)

۴۔ محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں، (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۲ء)، ص ۸۵۔

۵۔ مزید تفصیل کے لیے عبداللہ قریشی کی تصنیف ''حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں''، صفحہ ۸۵ ملاحظہ کیجیے۔

۶۔ احمد دین، مولوی، اقبال، مرتبہ: مشفق خواجہ، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع چہارم، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۱۰۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۲۵۔

۸۔ ایضاً، ص ۲۲۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۳۹۔

۱۱۔ ممتاز حسن، ڈاکٹر، اقبال اور عبدالحق، (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل، ۱۹۷۳ء)، ص ۹۷۔

۱۲۔ احمد دین، مولوی، اقبال، مرتبہ: مشفق خواجہ، ص ۹۱۔